JIRS,Vol.:2, Issue: 1, 2017
DOI: 10.12816/0037063, PP:67-82

OPEN ACCESS
Journal of Islamic & Religious Studies
ISSN (Online): 2519-7118
ISSN (Print): 2518-5330
www.uoh.edu.pk/jirs

اِسلامی نظام قضاء اور ثبوت دعویٰ کے احکام
(تحقیقی جائزہ)

Islamic Judiciary and Disposition of Testimonial Evidence (Research Analysis)

***ڈاکٹرآسیہ رشید**
اسسٹنٹ پروفیسر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، لاہور کیمپس۔dr.aasiarashid@gmail.com

Abstract

The establishment and implementation of justice is the primary responsibility of the Islamic state. In every Islamic society, the establishment of the systems of justice and police become an obligation and a necessity for the betterment of society and for the solution of the problems faced. The present research deals with the issue of Islamic system of judiciary highlighting its various components in the light of Shari'ah. Oath, Evidence, Witness and various technical terms used in the dissemination of Ajustice are explained with evidences from Qur'ān and Sunnah of the Holy Prophet (S.A.W). So this research concludes with the note that if the system of justice be strengthened; all the problems, in particular elimination of crimes can take place, and decisions can be given in the light of the laws and orders in the light of the Shari'ah.

Keywords: *Islamic Judiciary, Shari'ah, Islamic Jurisprudence, Oath, Evidence, Witness.*

تمہید

کسی بھی اسلامی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے تمام عناصر کے تعلقات اور ربط و ضبط میں توازن اور اعتدال پایا جائے۔ یہ اصول پر معاشرے، ملک و ملت اور قوم کے لیے ہے۔اسلامی ریاست کی تشکیل میں بھی یہی اصول ہر قدم پر دیکھا جاسکتا ہے۔اسی اصول پر عمل کرکے دینوی و مادی ترقی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے اُخروی فلاح کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ فطرت کے اس اُصول توازن کے تحت کاروبار حیات چلانے کے لیے اسلامی ریاست میں حکو متی سطح پر بعض اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ نظام عدل و قضا بھی انہی میں سے ایک ہے۔اسلامی تعلیمات کی رُو سے عدل کا قیام و نفاذ اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے نظام قضا اور عدلیہ کے ادارے کا قیام نا گزیر ہے۔

اِسلامی نظام قضاء کی حقیقت

اسلامی نظام قضاء کی حقیقت و نوعیت کی وضاحت سے قبل عدل کے مفہوم سے آگاہی لازمی ہے۔

عدل کا مفہوم

آئمہ لغت نے عدل کے معنی القضاء بالحق بیان کئے ہیں یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور قسط کے معنی ہیں النصیب یعنی حصہ اور حق دونوں کا حاصل مراد ایک ہے یعنی حقدار کو اس کا حق دلانا۔[1] انصاف کا لغوی معنی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دینا مگر ہمارے ہاں یہ لفظ بالعموم عدل کے معنوں میں مستعمل ہے۔[2]

المفردات القرآن میں مذکور ہے:

''العدالة و المعادلة لفظ يقتضى معنى المساواة ،والقسط هو النصيب بالعدل كالنصف والنصفة''[3]

عدل کے معنی یعنی فیصلہ برابری کی بنیاد پر کرنا اور قسط نصیب معنی حصہ کے ہیں عدل ہے کسی چیز کو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔

اہمیتِ عدل

قرآن کریم میں لفظ عدل کے ساتھ (۱۷) آیات موجود ہیں اور لفظ قسط بمعنی انصاف کے ساتھ (۲۳) آیات میں عدل و انصاف کی اہمیت بیان ہوئی ہے مثلاً ارشاد ربانی ہے:

"وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ"[4]

''اور جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ'' [5]

(اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ)۔

امام ابن تیمیہؒ، سیاست شرعیہ میں لکھتے ہیں:

''سیاست شرعیہ کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے ایک یہ کہ مناصب اور عہدے اہل ترین لوگوں کو دینا اور دوسرے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔''[6]

ثابت ہوا کہ عدل ایسی چیز ہے جس سے زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر دوچار ہونا پڑتا ہے اور اگر کائنات کے نظم پر غور کیا جائے تو بات عیاں ہوتی ہے کہ عدل کائنات کی جان ہے۔

قضاء کا مفہوم

لفظ قضاء لغت میں قضیٰ یقضیِ سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اصل میں قضای تھا عربی زبان کے ایک قاعدے کے مطابق یاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ لغت کی کتاب میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں۔ ان سب میں جو مفہوم مشترک ہے وہ کسی چیز کے مکمل اور حتمی طور پر طے کر دینے یا ختم کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ اس کے معنی ''حکم دینے'' کے بھی ہیں۔[7]

شرعی اصطلاح میں قضا سے مراد ہے:

"قضاکے معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔"[8]

ادب القاضی میں اصطلاحی تعریف کی تفصیل اس طرح سے ہے:

1. مقدمات کا بنٹانا اور جھگڑوں کا ختم کرانا۔
2. قضا سے مراد واجب العمل قرار پانے کے لیے حکم شرعی سے آگاہ کرنا۔
3. قضا دو یا دو سے زیادہ متنازعہ فریقوں کے مابین اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جھگڑا ختم کرادینا[9]

بنیادی بات یہ ہے کہ قضا ایک محکم فریضہ ہے۔اور ایک ایسی سنت ہے جس پر ہمیشہ عمل ہوتا رہا ہے۔فقہا کرام نے اس ادارے کی اہمیت کے پیش نظر اس کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

نظام القضاء کی اہمیت از روئے قرآن

قضاء ایک نہایت باعزت منصب ہے،اس کا احترام اور تعظیم کرنا فرض ہے۔دینِ اسلام میں اس کام کی جو اہمیت اور مقام و مرتبہ ہے اس سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔اسی منصب کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ بھیجے۔عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔اس کے اسماء الحسنی میں ایک اسم مبارک بھی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی بات، فیصلہ اور حکم توازن و تناسب کے منافی نہیں ہوتا، وہ حق عدل ہے اور اس کی ذات پاک سے صادر ہونے والی ہر شے حق و عدل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ"[10]

اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

اس آیت مبارکہ میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا انسانی اعمال کے بارے میں فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بے لاگ فیصلہ فرمائے گا۔جس میں کسی کی بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

انبیاء کرامؑ میں سے فیصلہ کرنے کی بصیرت حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو بخشی گئی۔ارشاد خداوندی ہے:

" يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ "[11]

اے داوٗدؑ! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے کرو۔

" وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ"[12]

اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ اور حکومت نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

قرآن میں قضا سے متعلق بے شمار آیات موجود ہیں جن میں ایک مسلمان حاکم اور قاضی کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہدایات موجود ہیں۔جن پر عمل کرکے وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق آسانی سے گزار سکتے ہیں۔

قضاء از روئے حدیث

انبیاء کرامؑ کی بعثت کا ایک اہم ترین مقصد عدل وانصاف پر مبنی انسانی معاشرہ کا قیام ہوتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف انسانوں میں اعتدال و میانہ روی قائم کرکے دکھائی بلکہ ایسی اصولی ہدایات بھی عطا

فرمائیں جن پر عمل پیرا ہو کر ساری کائنات اور انسانی معاشروں میں توازن پیدا کرکے عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

۱: ''عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لاَ حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا ''[13]

"رشک دو آدمیوں پر ہی کیا جا سکتا ہے ایک وہ شخص جیسے اللہ نے مال دیا اور پھر وہ حق کے راستے میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ جیسے اللہ نے حکمت دین کا علم دیا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے"۔

۲: '' عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ ''[14]

"سات لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سائے میں رکھے گا، جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں ایک امام عادل بھی ہے۔

ظالم قاضی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

۳: '' عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ ''[15]

"حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اس وقت تک قاضی کے ساتھ رہتا ہے جب تک وہ ظلم وزیادتی نہ کرے اور جب راہ حق سے ہٹ جائے تو اللہ بھی اس کی مدد سے ہٹ جاتا ہے اور شیطان اس کو آن پکڑتا ہے"۔

احادیث مبارکہ سے منصبِ قضا کی اہمیت اس کے فضائل اور اس منصب کی ذمہ داری پوری نہ کرنے والے کے لیے عذاب الٰہی ہے اور ایک عادل و انصاف پرست قاضی کے لیے اللہ کے ہاں بلند درجہ رکھا گیا ہے۔لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا نیکی کے بہترین اور افضل ترین کاموں میں سے ہے اور اخروی اجر کے اعلیٰ ترین درجات کا باعث ہے۔[16]

محکمۂ قضاء مملکت کے تمام شہریوں کے حقوق کا محافظ ہے۔ محکمۂ قضا معاملات کا فیصلہ کرنے میں حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ قانون کی تشریح کرتا ہے قانونی حکم دیتا ہے اور قانون کے مطابق ثابت شدہ حق کو ظاہر کرتا ہے اس لیے اس کو ادارہ عدلیہ کا نام بھی دیا جاتا ہے اور چونکہ اس کو جزا اور سزا کا حق حاصل ہے اس لیے اس کا ایک نام صیغۂ جزاء بھی ہے۔[17]

ثبوت دعویٰ کے احکام

دعویٰ کا مفہوم

لغوی اعتبار سے '' وہ قول جس سے انسان کسی شخص کے مقابلے میں اپنا حق ثابت کرے۔اقرار اس کا عکس ہے۔یعنی اپنے خلاف کسی غیر کے حق کو ماننا''[18]

"مجلۃ الاحکام العدلیہ" میں دعویٰ کا مفہوم اس طرح بیان ہوا ہے:

''کسی شخص کا کسی دوسرے آدمی سے حاکم کے سامنے اپنا حق طلب کرنا''[19]

اسی طرح اس مقدمے کو بھی جو فیصلہ کے لیے کسی ثالث کے سامنے پیش کیا جائے دعویٰ کہتے ہیں۔

دعویٰ کے ارکان :

دعویٰ کے ارکان درج ذیل ہیں۔

مدعی: جو طلب کرے یا مقدمہ دائر کرنے والا مدعی ہے۔[20]

مدعی علیہ: جس سے حق طلب کیا جائے وہ مدعی علیہ ہے۔

مدعیٰ: مطالبہ کا مقصد مدعیٰ کہلاتا ہے۔

مدعی بہ: جس کے لیے زیادہ رائج نام "مدعی بہ" ہے۔

یعنی مدعی وہ ہوتا ہے جس کی بات اثبات حق پر مشتمل ہے اور مدعی علیہ وہ ہوتا ہے جس کی بات نفی پر مشتمل ہو۔[21]

دعویٰ کی صحت کی شروط

"مجلۃ الاحکام العدلیہ" میں صحت دعویٰ کی پندرہ شرائط درج کی گئی ہیں۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا عاقل ہونا شرط ہے۔
2. مدعی علیہ کا معلوم و متعین ہونا شرط ہے۔
3. دعویٰ کے وقت فریق مخالف کا موجود ہونا بھی شرط ہے
4. جس چیز کا دعویٰ کیا جائے وہ معلوم ہو، مجہول نہ ہو۔
5. اگر مدعی بہ کوئی منقول شے ہو اور عدالت میں موجود ہو تو مدعی اس شے کی طرف اشارہ کرکے یہ کہے یہ میری ہے۔
6. اگر مدعی بہ مختلف جنس اور مختلف صفات کی چیزیں ہوں تو ان کی مجموعی قیمت کا ذکر دعویٰ میں کافی ہوگا۔[22]
7. اگر مدعی بہ کوئی جائیداد غیر منقولہ ہو تو لازم ہے کہ شہر، قریہ، محلّہ، گلی اور حدود اربعہ یا تین طرف کی حدود بیان کی جائیں۔
8. اگر مدعی نے حدود تو صحیح بتائیں مگر رقبہ بتانے میں غلطی کر جائے تو اس کے دعویٰ کی صحت پر یہ بات مانع نہ ہوگی۔
9. اگر مدعی بہ کو کوئی دین ہو تو لازم ہے کہ دعویٰ میں اس کی جنس نوع، اس کی صفت اور اس کی مقدار بیان کی جائے۔
10. اگر مدعی بہ کوئی مال ہو تو لازم نہیں کہ وجہ ملکیت بیان کی جائے۔
11. اقرار کا حکم یہ ہے کہ وہ حق کا دعویٰ جس کا اقرار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہو جائے۔
12. مدعیٰ بہ (یعنی جس حق کا دعویٰ کیا جائے) قابل ثبوت ہونا شرط ہے۔
13. کسی دعویٰ کے ثبوت پر غور کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ مدعا علیہ ایسا ہو جیسے عدالت کوئی حکم دے سکے یا جس کے ذمہ کچھ عائد کیا جا سکے۔[23]

اثباتِ دعویٰ کے شرعی طریقے اور احکام

دعویٰ کا بارِ ثبوت مدعی پر ہوتا ہے۔

" أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ "[24]

ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔

اثبات دعویٰ کے شرعی طریقے چار ہیں۔ اور ان کی ترتیب اس طرح ہے:

ا۔ اقرار (Admission)

۲۔ شہادت (Evidence of eyes witness)

۳۔ قسم/یمین (Oath) (حلف)

۴۔ قرائن (Circumstantial Evidence)

جب کوئی مدّعی دعویٰ دائر کرتا ہے تو مدّعا علیہ کو طلب کرکے اس سے پوچھا جائے اگر وہ مدّعی کے مطلوبہ حق کا اقرار کرے تو یہ اثبات دعویٰ کی بہترین صورت ہے۔ اگر وہ انکار کرے تو مدّعی کے ذمہ لازمی ہے کہ وہ شہادتیں مہیا کرکے ثبوت بہم پہنچائے اگر شہادتوں سے قانونی تقاضے پورے ہو جائیں تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور فیصلہ مدعی کے حق میں ہو جائے گا۔ اگر مدعی اس سلسلہ میں ناکام رہا تو پھر تیسری صورت مدعا علیہ پر قسم ہے۔ اگر وہ قسم اٹھالے کہ مدعی کا دعویٰ بے بنیاد ہے تو مقدمہ خارج ہو جائے گا۔ اثباتِ دعوی کے شرعی طریقوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اقرار

اقرار سے مراد کہ کوئی شخص اپنے جرم کے ارتکاب کا خود ہی اقرار کرے، اقرار میں (Confession) اور (Admission) دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اقرار کا ثبوت قرآن سے ثابت ہے:

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ" [25]

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو خواہ گواہی کی زد تمہاری اپنی ذات پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

اسلام نے اقرار کو اول درجہ دیا ہے۔ اور اقرار کے بعد اسلام میں کسی تائیدی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس لیے اثبات دعویٰ کے لیے سب سے قوی دلیل اقرار ہے اور یہ اقرار در حقیقت مدعا علیہ کی اپنے خلاف گواہی ہوتی ہے۔

مدعا علیہ کے اقرار کی صورتیں

مدعا علیہ کے اقرار کی دو صورتیں ہیں:

حقوق العباد میں اقرار : اس اقرار سے رجوع نہیں ہو سکتا مثلاً ایک مدعا علیہ یہ اقرار کرلیتا ہے کہ میں نے مدعی کا اتنا قرضہ دینا ہے تو اب اس اقرار سے پھر نہیں سکتا۔

حقوق اللہ میں اقرار: یعنی ایسے جرائم جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا مقرر ہے۔ ایسی صورت میں اگر مجرم اقرار کے بعد انکار کرے تو اس کا یہ انکار جمہور علماء کے نزدیک معتبر ہے اور اس سے حد شرعیہ ٹل جائے گی، کیونکہ اس انکار کے بعد کئی طرح کے شکوک پیدا ہو سکتے ہیں۔[26]

حضور ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

" ادْرَءُوا الحُدُودَ عَنِ المسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ"[27]

ادنی شبہ کی بنا پر مسلمانوں سے حدود کو ساقط کر دیا کرو

اقرار اور شہادت میں فرق

اقرار کا اثر صرف اقرار کرنے والے تک محدود ہوتا ہے یعنی اقرار کا اثر صرف ایک شخص پر پڑتا ہے۔ بخلاف شہادت کے کہ وہ غیر پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔[28] مثلاً کہ چند افراد پر قرض کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ الگ دو نے تو اس قرض کا اقرار کر لیا مگر باقی نے

اقرار نہیں کیا تو بعض کا اقرار ان کی اپنی ذات تک محدود رہے گا لیکن جب مدعی اپنے ثبوت دعویٰ میں گواہ پیش کرتا ہے تو اس کا اثر تمام مدعا علیہ پر ہوگا۔[29]

صحت اقرار کی شرائط

1. مدعی علیہ عاقل اور بالغ ہو۔اس پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے۔ارشاد رسول ﷺ ہے:

"رُفِعَ القَلَمُ عَن ثَلاثٍ الصَّبِيُّ والمجنون والمكْره"[30]

تین قسم کے لوگوں کی بات کا اعتبار نہیں بچہ، مجنون یا پاگل اور جو مجبور ہو

لہٰذا ایسا اقرار جو ملزم دباؤ میں آکر کر رہا ہے ایسے اقرار کی کوئی اہمیت نہیں۔

2. جب مقّر کے اقرار میں جانبداری کا شبہ ہو تو ایسا اقرار معتبر نہیں ہوگا۔اگر کوئی شخص موت کے قریب کسی رشتہ دار کو کچھ دینے کا اقرار کرتا ہے۔جس کا دوسروں کو علم نہیں تو اس میں یہ شبہ ہے کہ شاید وہ اس کو مالی فائدہ پہنچانا چاہتا ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:" لاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ "[31] (وارث کے لئے وصیت نہیں)

دیوانی مقدمات میں ایک دفعہ کا اقرار کافی ہے لیکن شدید جرائم میں احتیاط یہ ہے کہ جتنی شہادتیں درکار ہوں اتنی دفعہ مجرم سے اقرار لیا جائے۔

شہادت اور اُس کے احکام

"عربی لغت کے اعتبار سے لفظ شہادت یعنی گواہی جس کو انگریزی زبان میں Evidence کہا جاتا ہے۔(ش،ہ،د) کے مادہ پر مبنی ہے۔لغت میں اس مادے کے تحت مختلف معانی بیان ہوئے ہیں۔مجلس میں حاضر ہونا، معائنہ کرنا، دیکھنا، کسی کو گواہ بنانا، گواہی دینے کے لیے کہنا۔[32] نیز شاھد بمعنی گواہ شہادۃ سے ماخوذ ہے اور اسم فاعل مذکر کا صیغہ ہے۔اسلامی شریعت کی اصطلاح میں شہادۃ کا لفظ خالص قانونی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اس لحاظ سے شہادت اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی عدالت میں حاضر ہو کر کسی اپنے معاملے کے متعلق دیا جاتا ہے۔"[33]

شہادت کے ارکان

شہادت کے ضمن میں چار اصطلاحات کی ضرورت کثرت سے پیش آتی ہے:

1) جو گواہی دے، وہ شاہد ہے۔

2) جس کے موافق گواہی دے، وہ مشہود لہٗ ہے

3) جس کے خلاف گواہی دے، وہ مشہود علیہ ہے۔

4) جس چیز کی شہادت دی جائے، وہ مشہود بہ ہے۔[34]

گواہی دینے کا حکم

اسلام کے قانون میں گواہی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اسلامی قانون دنیا کے تمام نظام ہائے قوانین میں اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس نے ہر جرم یا واقعے کو ثابت کرنے کے لیے کم از کم تعداد گواہان کا تعین کر دیا ہے۔اسلام میں گواہی کی اہمیت کے پیش نظر گواہ کے اوصاف بھی متعین ہیں کہ گواہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔چنانچہ گواہی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ گواہی دینے والا عادل ہو اور فسق وفجور کے لیے مشہور نہ ہو۔[35]

کسی شخص کے جائز حق کو ثابت کرنے کے عند الطلب گواہی دینا بہت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ''[36]

اور گواہی کو چھپاؤ نہیں اور جو چھپاتا ہے اس کا دل گنہگار ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ شہادت کو چھپانا شہادت نہ دینے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ جو شخص عدالت میں چلا تو جاتا ہے اور سب کچھ جانتے ہوئے حقیقت حال کو ظاہر نہیں کرتا وہ اس شخص سے زیادہ مجرم ہے جو گواہی دیتا ہی نہیں۔ اس لیے حضور ﷺ نے کتمان شہادت کو جھوٹی شہادت کے برابر قرار دیا ہے۔

جھوٹی گواہی کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک صفت یہ بھی فرمائی ہے:

'' وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ'' [37] (وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے)

جھوٹے گواہ کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' لَنْ تَزُولَ قَدَمُ شَاهِدِ الزُّورِ حَتَّى يُوجِبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ ''[38]

قیامت کے دن جھوٹے گواہ کے قدم کہیں ٹک نہ سکیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ واجب کر دے گا۔

گواہی کی صحت کی شرائط

1) **گواہ مسلمان ہو**: بالخصوص ایسے معاملات میں جن کا تعلق اللہ سے ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں ایک اعرابی رمضان المبارک کے نئے چاند کی گواہی دینے آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

'' أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ؟» قَالَ: نَعَمْ، فَنَادَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ صُومُوا''[39]

اس نے کہا: ہاں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا تم ،اشہد ان محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو،'' اعرابی نے کہا ہاں۔ اس پر آپ ﷺ نے اس کی گواہی قبول فرمائی۔

2) **گواہ کا عادل ہونا شرط ہے**: ارشاد خداوندی ہے:

'' وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ '' [40] (اور مسلمانوں میں دو صاحب عدل گواہ بنالو)

اور عادل وہ شخص ہوتا ہے جس کی خوبیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں۔[41]

3) کسی خبر متواتر کے خلاف قائم کردہ دلیل قابل قبول نہ ہو گی۔

4) شہادت کے لیے یہ شرط ہے کہ شہادت دینے کی وجہ سے کسی مضرت کا دفع کرنا یا کسی ذاتی منفعت کا حصول نہ ہو۔

5) شہادت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ شاہد اور مشہود علیہ کے درمیان کوئی دنیاوی عداوت نہ ہو اور دنیاوی عداوت کی تعریف عرف عام کے بموجب ہو گی۔

6) کوئی شخص خود ہی شاہد اور خود ہی مدعی نہیں ہو سکتا۔[42]

7) جو گواہ سے عدالت میں جھوٹی گواہی دے چکا ہو۔ اس کی گواہی بھی مردود ہو گی۔

درج ذیل تین قسم کے افراد کی گواہی بھی قابل قبول نہیں:

" لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ، وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ"[43]

خائن، خائنہ، زانی، زانیہ اور اس شخص کی بھی شہادت قبول نہیں جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہو

8) **حواس:** یعنی گواہ عقل و بصارت رکھتا ہو جو کچھ دیکھے یا سُنے اسے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ "[44] (جو حق کے ساتھ شہادت دے جبکہ وہ جانتا ہو)۔

عورت کی گواہی:

قرآنِ کریم کی آیت نمبر ۲۸۲ کے مطابق دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عام حالات میں گواہ بن سکتے ہیں، البتہ جو معاملات عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں صرف عورت کی گواہی معتبر سمجھی جائے گی۔ مثلاً رضاعت اور بچہ کی پیدائش وغیرہ۔ آپ ﷺ نے بچے کی پیدائش کے سلسلہ میں صرف ایک دائی کی گواہی کو جائز قرار دیا۔ اور رضاعت کے ثبوت کے لئے بھی صرف ایک عورت کی شہادت کو تسلیم کیا۔

"عقبہ بن الحارث سے مروی ہے کہ ابو اہاب کی بیٹی سے نکاح کیا۔ ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ اور اس کی بیوی دونوں کو دودھ پلایا۔ عقبہ کہنے لگے مجھے تو معلوم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے پھر آل ابو اہاب کے پاس آدمی بھیجا تاکہ واقعہ کی تحقیق کرے، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ عقبہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر نکاح کیسے ہو سکتا ہے جب وہ تم دونوں کی رضائی ماں بننے کا دعویٰ کرتی۔ عقبہ نے پھر دوسرا نکاح کر لیا۔"[45]

گواہوں کی تعداد

۱۔ چار مردوں کی شہادت: چار شہادتوں کی ضرورت صرف زنا کے معاملہ میں پیش آتی ہے۔ چونکہ زنا کی سزا شدید ترین ہے لہٰذا شہادت میں احتیاط بھی زیادہ ضروری ہے۔

۲۔ تین مردوں کی گواہی: افلاس کو ثابت کرنے کے لیے تین گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ صرف دو مردوں کی گواہی: زنا کے علاوہ بقیہ حدود مثلاً قصاص، چوری، قذف وغیرہ میں صرف دو مردوں کی گواہی شرط ہے۔

۴۔ دو مردوں یا ایک مرا اور دو عورتوں کی گواہی لازمی ہے۔

۵۔ صرف ایک مرد کی گواہی۔ رویت ہلال کے بارے میں ایک مرد کی گواہی کافی ہے۔[46]

قسم

لفظ ایمان، یمین کی جمع ہے؛ اس کا معنی قسم، قوت اور دایاں ہاتھ ہے۔ فیروز الدینؒ فرماتے ہیں:

"قسم کے معنی حلف، جمع اَقسام، عہد پورا کرنا وعدہ وفا کرنا، عہد کرنا، قول دینا، حلف اٹھانا۔"[47]

صالح بن فوزان قسم کے اصطلاحی مفہوم کے متعلق لکھتے ہیں:

"قسم کو عربی میں یمین بھی کہتے ہیں جس کی جمع اَیمان آتی ہیں۔ قسم کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مخصوص طریقے سے کسی کام یا حکم کو موکد بنانا۔ قسم کو یمین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لغت عرب میں دائیں ہاتھ کو یمین کہا جاتا ہے جب دو قسم اٹھانے والے قسم اٹھائیں تو وہ اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے ساتھی کے داہنے ہاتھ پر مارتے ہیں جیسے عہد و پیمان میں ہوتا ہے۔"[48]

قسم کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

"لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ"[49]

"اللہ تعالیٰ تک کو لغو قسموں پر نہیں پکڑے گا البتہ ان قسموں پر پکڑے گا جو قصداً تم نے کھائی ہوں تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو بیچ کا (معمولی) کھانا کھلاؤ جو اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو پھر جس کو مقدور نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم (قصداً) قسم کھاؤ (پھر اس کو توڑ دو) اور اپنی قسموں کو تھامے رہو۔"

قسم اٹھانے کا طریقہ

اگر مدعی شہادت فراہم کرنے یا ثبوت بہم پہنچانے میں ناکام رہا ہو تو پھر مدعا علیہ پر قسم کی باری آتی ہیں۔اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ قسم کھانے والا خدا سے ڈر کر سچی بات کہہ دے اس قسم کے ذریعہ اسے عدالت میں خدا یاد دلایا جاتا ہے۔ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کی اٹھائی جا سکتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

" مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ" [50]

جس نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

آپ ﷺ نے ایک دفعہ مدعا علیہ سے یوں قسم اٹھوائی:

"احْلِفْ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، مَا لَهُ عِنْدَكَ شَيْءٌ "[51]

اس اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تیرے ذمہ مدّعی کا کوئی حق نہیں۔

اگر غیر مسلم سے قسم لینے کی ضرورت ہو تو اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کی اس صفت کو شامل کیا جائے۔جو اس کے عقیدہ میں شامل ہو۔مثلاً عیسائی ہے تو یوں کہے اس اللہ کی قسم جس نے حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل فرمائی۔اور اگر یہودی ہے تو یوں کہے کہ اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل فرمائی۔یہودیوں نے زنا کا مقدمہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا۔اور کہنے لگے کہ ہمارے مذہب کے مطابق اس کی سزا کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا ہے۔

" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَهُ: يَعْنِي لِابْنِ صُورِيَا: «أُذَكِّرُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي نَجَّاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ، وَأَقْطَعَكُمُ الْبَحْرَ، وَظَلَّلَ عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ، وَأَنْزَلَ عَلَيْكُمُ الْمَنَّ، وَالسَّلْوَى، وَأَنْزَلَ عَلَيْكُمُ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى أَتَجِدُونَ فِي كِتَابِكُمُ الرَّجْمَ؟»، قَالَ: ذَكَّرْتَنِي بِعَظِيمٍ، وَلَا يَسَعُنِي أَنْ أَكْذِبَكَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ "[52]

آپ ﷺ نے یہودیوں کے ایک معتبر عالم ابن صوریا سے حلفاً یہ بات یوں پوچھی :"میں تجھے اس اللہ کی قسم دلواتا ہوں جس نے حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل کی۔کیا تمہاری کتاب میں زنا کا یہی حکم ہے"اس نے جواباً کہا کہ میں بات ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔مگر آپ ﷺ نے ایسی بھاری قسم دلائی ہے کہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔

یعنی حقیقت یہی ہے کہ اس کی سزا رجم ہے لیکن ہم نے تحریف کر لی ہے۔

جھوٹی قسم کی مذمت

جھوٹی قسم دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹی شہادت ہے اور کسی انسان پر جھوٹی شہادت کو حضور اکرم ﷺ نے شرک کے برابر قرار دیا ہے تو اللہ پر جھوٹی شہادت تو اس سے بھی زیادہ گناہ ہے۔

قسم کا ایک پہلو خدا سے عہد کا بھی ہے تو جو لوگ اس عہد سے غلط فائدہ اٹھا کر دوسروں کا حق دبا جاتے ہیں ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ "[53]

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ثمن قلیل لیتے ہیں آخرت میں ان لوگوں کا کوئی حصّہ نہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گناہ کبیرہ سے بچنے کے لئے قرآن کریم میں کئی مقامات پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللَّهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: وَإِنْ كَانَ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ " [54]

جس شخص نے جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے مال کا کچھ حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی۔ صحابہ نے پوچھا۔ خواہ یہ کوئی معمولی سی چیز ہو؟ فرمایا: اگرچہ وہ پیلو کے درخت (پنجابی وَن) کی ایک ٹہنی ہی ہو۔

قسم کے ذریعہ رفع نزاع قسم کے ذریعہ تنازع ختم کرنے کی مندرجہ ذیل تین صورتیں معروف ہیں۔

۱۔ مدّعا علیہ کی قسم

اگر مدّعی شہادت فراہم نہ کر سکے۔ اور مدّعا علیہ کی قسم اٹھالے۔ خواہ مدّعی اس کی قسم کو قبول ہی نہ کرے۔ تو دعویٰ خارج ہو جاتا ہے اور اصل چیز مدّعا علیہ کی ملکیت میں ہی رہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ ایک حضرمی اور ایک کندی زمین کی ملکیت کے بارے میں جھگڑا لے کر آئے۔ کندی نہ شہادت فراہم کر سکا اور نہ قسم قبول کرنے پر آمادہ ہوا (جبکہ مدّعا علیہ قسم دینے کو تیار تھا) تو آپ ﷺ نے متنازع زمین اس کے پاس رہنے دی۔

۲۔ لعان

لعان یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت اس کا انکار کرے تو دونوں عدالت کے سامنے پیش ہوں۔ پہلے مرد کھڑا ہو کر چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس عورت نے زنا کیا ہے اور پانچویں باریوں کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، پھر اس کے بعد عورت بھی اٹھ کر اس طرح چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور میں بری ہوں اور پانچویں باریوں کہے کہ اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہاں بظاہر کوئی سزا معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے بعد فریقین میں ہمیشہ کے لئے جدائی ہو جاتی ہے جو ایک بہت بڑی سزا ہے۔

"عویمر عجلانی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ دیکھو دنیا کا عذاب حد قذف برداشت کرنا آسان ہے مگر آخرت کا عذاب برداشت کرنے کی سکت کسی میں نہیں۔ اس لئے تم خواہ بدنامی کی خاطر یا شبہ کی بنا پر الزام لگا رہے ہو تو ابھی توبہ کر لو خدا معاف کر دے گا۔ عورت سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر تم سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہے تو رجم کی سزا، اُخروی سزا سے بہت ہلکی ہے۔ محض رجم کے خوف سے انکار مت کرنا۔ جب

انہوں نے اپنے اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار کیا اور ساتھ ہی یکبارگی تین طلاقیں بھی دے دیں تو آپ ﷺ نے ان میں لعان فرما کر تفریق کردی۔"[55]

"ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی شریک بنت سمحا کو زنا سے متہم کیا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو بھی وعظ و تلقین فرمائی اور کہا دیکھو اللہ سے ڈرو تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ وہ پھر بھی اپنی اپنی بات پر اڑے رہے۔ بالآخر آپ ﷺ نے لعان کے ذریعہ ان میں تفریق کرادی۔"[56]

لعان سے مندرجہ ذیل مسائل پیدا ہوتے ہیں:

ا۔ لعان کرنے سے مکمل تفریق ہو جاتی ہے۔ گو عویمر عجلانی نے تین بار طلاق بھی کہہ دیا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں چنانچہ ہلال بن امیہ نے طلاق کے الفاظ نہیں کہے تو بھی آپ ﷺ نے ان کے درمیان جدائی کرادی۔

۲۔ حق مہر واپس نہیں لیا جاسکتا اور اگر ادا نہیں کیا تھا تو ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ عویمر عجلانی نے مہر کی واپسی کا مطالبہ کیا جسے آپ ﷺ نے رد کردیا۔[57] دور نبوی ﷺ کا واقعہ ہے:

"عبد اللہ بن سہل اور محیصہ بن عبد اللہ خیبر کی طرف گئے۔ عبد اللہ بن سہل کو کسی آدمی نے قتل کردیا۔ اس کا بھائی عبد الرحمٰن اور اس کے دونوں بیٹے حویصہ اور محیصہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور قصہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے مقتول کی دیت قسم سے لے سکتے ہو کہ پچاس آدمی قسم اٹھائیں کہ اسے یہود نے قتل کیا ہے۔" انہوں نے کہا "جب ہم موقع پر موجود نہیں تھے تو قسم کیسے کھا سکتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: پھر یہود قسم کھائیں گے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا۔ وارثوں نے کہا وہ تو جھوٹی قسم بھی کھا جائیں۔ آپ ﷺ نے خون کو رائیگاں نہ سمجھا اور دیت کے سو اونٹ بیت المال سے دے دیئے۔"[58]

قسامت کی شکل کے علاوہ دور جاہلیت میں دیت کا رواج تھا اور قصاص کا بھی۔ اسلام نے ان تینوں چیزوں کو بحال رکھا اور مشروع قرار دیا ہے۔ بخاری میں ایک واقعہ آتا ہے کہ بنو ہاشم کا ایک آدمی مارا گیا۔ قاتل کا یقینی علم نہیں تھا۔ تاہم جس پر شک تھا اس سے جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کہا: "تین باتوں میں ایک اختیار کرلے۔ یا تو دیت کے سو اونٹ دیدے یا تیری قوم کے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ تو نے قتل نہیں کیا یا پھر قتل کا بدلہ قتل سے دے دے۔" وہ قوم کے پاس آیا قوم نے کہا ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں مارا۔ اور نہ ہی ہمیں قاتل کا علم ہے۔ قسم چونکہ جھوٹی تھی اس لئے وہ سال کے اندر اندر ہی ختم ہو گئے۔[59]

قرائن کی تعریف

قرائن، قرینہ کی جمع ہے جس سے مراد وہ ثبوت ہے جو کسی واقعہ کے بارے میں یقین دلاسکے یا سوچنے پر مجبور کرے کہ واقعہ اس طرح ہوا ہوگا۔ کسی مدہوش شخص کے بارے میں یہ اندازہ کرنا ابتدائی اور فوری ردعمل ہے۔ کہ وہ نشہ کی کیفیت میں ہے۔ منہ سے نشے کی بو محسوس ہو رہی ہو تو اس ثبوت کی پختگی واضح ہو جاتی ہے۔ بُو نہ ہو تو انسانی ذہن کسی دوسری طرف بھی سوچ سکتا ہے مدہوش شخص کی عمومی شہرت اور اس کے ماضی کو پیش نظر رکھنا بھی قرائن میں سے ایک ہے۔ غیر معمولی اچھی شہرت کا حامل شخص مدہوش نظر آئے۔ تو انسانی ذہن اسے طرح طرح کی رخصتیں دینے پر آمادہ رہتا ہے۔ بدکار شخص مدہوش

نظر آئے تو ہر دیکھنے والا فرد اسے لائق سزا پس کہا جا سکتا ہے کہ اس معاملے میں مدہوشی، نشے کی مخصوص بو اور عمومی شہرت تین قرائن ہیں۔[60]

قرائن کے احکام

ثبوت دعویٰ کا یہ طریق کبھی تو نا مکمل اور نا قابل یقین ہوتا ہے اور کبھی مکمل اور پورا ذریعہ ثبوت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر انحصار کرنے میں مکمل احتیاط لازمی ہے۔ قرائن کے نا مکمل ہونے کی مثال یہ ہے کہ مدینہ میں ایک بدکار عورت رہتی تھی۔ قرائن پوری طرح شہادت دے رہے تھے کہ وہ بدکار ہے۔ اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ لو كنت راجما أحدا بغير بينة لرجمت فلانة فقد ظهر منها الريبة في منطقها وهيئتها ومن يدخل عليها‘‘[61]

’’اگر میں بغیر گواہوں کے کسی کو رجم کر سکتا تو میں فلاں عورت کو ضرور رجم کر دیتا کیونکہ اس کی باتوں۔ اس کی ہیّت اور جو لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زانیہ ہے۔‘‘

اس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ قرائن مکمل ذریعہ ثبوت نہیں ہوتے۔

۲۔ قاضی کو اگر ذاتی طور پر بھی کسی دعویٰ کا علم اور یقین ہو۔ لیکن اگر شہادتیں مہیا نہ ہو سکیں تو وہ ظاہری علامات پر فیصلہ نہیں دے سکتا۔ قرائن کے معاون (Corroborative Evidence) ثبوت ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک صحابی بلال بن امیہ نے بیوی کو شریک بن سمحا کے ساتھ متہم کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے مسجد نبوی میں بذریعہ لعان ان میں تفریق کرا دی۔ اس کے بعد فرمایا اگر ایسے اعضاء والا لڑکا پیدا ہو تو وہ شریک کا ہوگا اور اگر ایسے ایسے اعضاء والا ہوا تو وہ بلال بن امیہ کا ہوگا۔ پھر جب بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک بن سمحا کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ لَوْلَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ ‘‘ [62]

اگر لعان کے ذریعہ تفریق کا حکم نازل نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس عورت سے نمٹ لیتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدّعی کا دعوے اور قرائن مل کر مکمل ذریعہ ثبوت بن سکتے ہیں اور اس بنیاد پر آپ اس عورت کو رجم کر سکتے تھے۔ قرائن کے مکمل ثبوت ہونے کی مثال حمل ہے۔ لیکن یہ بھی اس حد تک مکمل ہے کہ واقعی زنا کا ارتکاب ہوا ہے۔ زانی کون تھا؟ کس حالت میں ارتکاب جرم ہوا۔ ایسی باتوں کا پھر بھی پتہ نہیں چلتا۔ تاہم کسی کے دعویٰ اور حمل کی بنا پر حد جاری کی جا سکتی ہے اور دور خلفائے راشدین سے یہ ثابت ہے۔[63]

قرائن کے مدّعا علیہ کے اقرار سے بھی زیادہ معتبر ہونے کی دلیل وہ مقدمہ ہے جو حضرت داوٗدؑ کے سامنے پیش ہوا۔ ایک عورت نے کسی عورت کے بچہ کے متعلق دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا ہے۔ مدّعا علیہ یعنی حقیقی والدہ بھی یہی دعویٰ کرتی تھی۔ حضرت داوٗدؑ نے فیصلہ کیا کہ بچے کے دو ٹکڑے کرکے ہر ایک کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا جائے۔ اب حقیقی والدہ فوراً پکار اٹھی کہ بچے کے ٹکڑے نہ کئے جائیں یہ لڑکا اس دوسری عورت کا ہے تو آپ نے سمجھ لیا کہ مدّعا علیہ ہی اس کی حقیقی والدہ ہو سکتی ہے۔ اور اسی بناء پر آپ نے فیصلہ کرکے حقیقی والدہ کو بچہ دے دیا۔[64]

مدّعا علیہ کا اقرار یہ تھا کہ بچہ اس کا نہیں، مگر قرائن کی شہادت یہ تھی کہ بچہ اسی کا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا قرائن کی بنیاد پر فیصلہ ہوا۔ آج کے دور سائنس اور ٹیکنالوجی نے جس قدر ترقی کی ہے اس سے قرائن میں بہت سی چیزوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ پوسٹ مارٹم، ہاتھ کے نشانات، تحریر کی شناخت، فوٹو سٹیٹ، کیمیکل ایگزامی نیشن، فارنیزک جانچ پڑتال، کیمرے ٹیلی سکوپ، ایکس رے اور کئی دوسری چیزیں اثبات یا ردِ دعویٰ میں موثر کردار ادا کرتی ہیں۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا بحث سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کو ایسے مذہب سے نوازا ہے جو اپنے تمام تر شعبہ ہائے جات میں کامل و مکمل ہے۔ جس میں انسانی زندگی سے متعلقہ اہم ترین مسائل کا حل موجود ہے۔ کوئی انسان اسی وقت ہی دنیا و آخرت میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب وہ دین اسلام کے تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔ عدل وانصاف، محکمہ قضاء یا دارالقضاء کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں بخوبی واضح ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے امت مسلمہ کو ان کا پابند بنایا۔ تاکہ کسی بھی قسم کے اختلافات کی صورت میں شریعت مطہرہ کے اصولوں پر مبنی فیصلہ کیا جائے۔ تاریخ پر گہری نگاہ ڈالیں تو مسلم معاشرے کے ہر زمانہ میں ایسے واقعات کھل کر سامنے آتے ہیں جس میں خواہ حاکم ہو یا محکوم تمام نے نظام قضاء کے درخشاں اصولوں پر عمل کا اہتمام فرمایا۔ لیکن افسوس کہ عصر حاضر میں امت مسلمہ نے دین اسلام کے نظام قضاء کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس کی اہم ترین وجہ اسلامی احکام سے ناواقفیت اور دوری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ کو دینی علوم سے روشناس کرایا جائے۔ تاکہ ملت اسلامیہ میں شریعت مطہرہ کے اصولوں پر عمل درآمد کرکے معاشرہ سے جرائم و منکرات کا سدباب کیا جا سکے۔

حواشی و مصادر

[1] گوہر رحمٰن، مولانا، اسلامی سیاست، مکتبہ تفہیم القرآن مردان، ۲۰۱۰ء، ص: ۳۹۳

[2] ذوالفقار احمد تابش، اعجاز اللغات، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۵ء، ص: ۹۲

[3] راغب اصفہانی، علامہ، المفردات القرآن، کتاب العین، القاف، ص: ۴۰۳، ۳۲۵

[4] سورۃ النساء: ۵۸

[5] سورۃ المائدہ: ۴۲

[6] ابن تیمیہ، امام، سیاست شرعیہ، ص: ۷

[7] محمود احمد غازی، ڈاکٹر، ادب القاضی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۸۷

[8] الکاسانی، بدائع الضائع فی ترتیب الشرائع، طبع بیروت، ۱۹۷۴ء، ص: ۴۰۷۸/۹

[9] ادب القاضی، ص: ۱۸۷

[10] سورۃ غافر: ۲۰

[11] سورۃ ص: ۲۶

[12] سورۃ المائدۃ: ۴۴

[13] بخاری، امام، صحیح بخاری، کِتَابُ العِلْمِ، بَابُ الِاغْتِبَاطِ فِي العِلْمِ وَالحِكْمَةِ، حدیث نمبر: 73، ص: 52/1، نیز یہی حدیث بخاری میں کتاب الزکوۃ اور کتاب الاحکام میں بھی آئی ہے دیکھیے، کتاب الاحکام، بَابُ أَجْرِ مَنْ قَضَى بِالحِكْمَةِ میں حدیث نمبر: 7141، اور کتاب الزکوۃ میں بَابُ إِنْفَاقِ المَالِ فِي حَقِّهِ، حدیث نمبر: 1409

[14] نسائی، امام، سنن نسائی، كِتَابُ آدَابِ الْقُضَاةِ بَابُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ، حدیث نمبر: **5380، ص: 222/8**

[15] ترمذی، امام، جامع ترمذی، کتاب ابواب الاحکام، بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِمَامِ العَادِلِ، حدیث نمبر: 1330، ص: 610/3

[16] حمید الرحمٰن عباسی، مولانا، اللہ تعالیٰ کا نظام عدل، انجمن خدام الدین لاہور، س ن، ص: ۸۴

[17] حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، ص: ۳۸۷

[18] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۶ء، ص: ۹/۳۵۱

[19] مجلۃ الاحکام العدلیہ، مترجم، عبد القدوس ہاشمی، محکمہ او قاف پنجاب، ۱۹۸۱ء، دفعہ ۱۶۱۳، ص: ۳۷۱

[20] ایضاً، دفعہ: ۱۶۱۴

[21] المرغیتانی، الھدایۃ، کتاب الدعویٰ، ص: ۳/۱۸۵

[22] مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۱۶۲۲-۱۶۱۶، ص: ۳۷۳

[23] مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۱۶۲۷ سے ۱۶۳۰، ص: ۳۷۴-۳۷۵

[24] مسلم، امام، صحیح مسلم، كِتَابُ الْأَقْضِيَةِ، بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، حدیث نمبر: 1711، ص: 1336/3

[25] سورۃ النساء: ۱۳۵

[26] شمیم حسین قادری، محمد، اسلامی ریاست (قرآن وسنت کی روشنی میں) علماء اکیڈمی، ۱۹۸۴ء، ص: ۳۶۴

[27] جامع ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۲۴

[28] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۹/۳۵۴

[29] شمیم حسین قادری، محمد، اسلامی ریاست، ص: ۳۶۵

[30] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الاغلاق والکترہ والسکران والمجنون وأمرھما، حدیث نمبر: ۵۲۷۱

[31] لوئیس معلوف، المنجد، ص: ۶۶۰

[32] ابو الفضل عبد الحمید بلیاوی، مصباح اللغات، ص: ۴۶۶

[33] مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ: ۱۶۸۴، ص: ۳۹۳، مزید، عبد المالک عرفانی، اسلامی قانون شہادت، ص: ۱۷

[34] تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، اسلام کا نظام عدالت، ص: ۶۱

[35] تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، اسلام کا نظام عدالت، ص: ۶۱

[36] ایضاً: ۲۸۳

[37] سورۃ الفرقان: ۷۲

[38] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب الشھادت، باب شھادۃ الزور، ح: ۲۳۷۳

[39] سنن نسائی، کتاب الصیام، باب شھادۃ رجلٍ واحد، ح: ۲۱۱۴

[40] سورۃ الطلاق: ۲

[41] مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۱۷۰۵، ص: ۳۹۷

[42] ایضاً

[43] سنن ابو داؤد ،کتاب الأقضیۃ، بابُ مَنْ تُرَدُّ شہادتُہ ،حدیث : 3601، ص:306/3

[44] سورۃ الزخرف:۸٦

[45] صحیح البخاری ،کتاب النکاح، باب شہادۃ المرضعۃ، حدیث نمبر: ۵۱۰۴/۲٦٦۰

[46] شمیم حسین قادری، محمد، اسلامی ریاست (قرآن وسنت کی روشنی میں)، ص: ۲۷۲-۲۷۴

[47] فیروز الدین، فیروز اللغات، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹٦۸ء، ص: ۹۵۵

[48] صالح بن فوزان فقہی احکام و مسائل، دار السلام کراچی، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۸۰/۲

[49] سورۃ المائدۃ: ۸۹

[50] سنن ابو داؤد، کتاب الأیمان والنذور، بابٌ فی کراہیۃ الحلف بالآباء، حدیث نمبر: 3251، ص:223/3

[51] سنن ابو داؤد، کتاب الأقضیۃ، بابُ کیفَ الیمینُ، حدیث نمبر: 3260، ص۳۱۱/۳

[52] سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، بابٌ بما یُستحلفُ اہلُ الکتابِ، ص: 855/۲، نیز دیکھئے، کتابُ الحُدودِ، باب رجم الیھودی والیھودیہ، حدیث نمبر 2558، نیز دیکھئے 2328،2327،، مزید، سنن ابو داؤد، کتاب الأقضیۃ، بابُ کیفَ یحلفُ الذمّیُّ،، حدیث نمبر: 3624،3626، ص:313/3

[53] سورۃ آل عمران: ۷۷

[54] سنن نسائی، کتاب آدب القضاۃ، القضاءُ فی قلیلِ المالِ وکثیرِہ، حدیث نمبر: ۵۴۱۹، ص: ۸/۲۴٦

[55] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، بابُ مَن اجازَ طلاقَ الثّلاث، حدیث نمبر: ۵۲۵۹، ص: 42/7

[56] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، بابُ یبدأُ الرّجلُ بالتّلاعُنِ، حدیث نمبر: ۵۳۰۷، ص: 53/7

[57] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، بابُ صَداقِ المُلاعنَۃِ، حدیث نمبر: ۵۳۱۱، ص: 55/7

[58] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، بابُ کتابِ الحاکمِ إلیٰ عُمّالہِ والقاضی إلیٰ اُمنائِہٖ، حدیث نمبر: ۷۱۹۲، ص: 75/9

[59] صحیح بخاری، کتاب الدّیات، باب القسامۃ، ح: ٦۸۹۸

[60] شہزاد اقبال، اسلامی نظام عدل و قضاء میں شہادت کا تصور، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص: ۲

[61] صحیح بخاری، کتاب المحاربین، باب من اظہر الفاحشۃ واللطخ والتہمۃ بغیر بینۃٍ، ح: ٦۸۵۵

[62] سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث نمبر: ۲۲۵٦، ص: 276/2

[63] ابن تیمیہ، امام، اعلام الموقعین، ص: ۵۰

[64] صحیح مسلم، کتابُ الأقضیۃ، بابُ بیانِ اختلافِ المُجتہدینَ، حدیث نمبر: 1720، ص: 1344/3